انوارِ پریشان

نظم

صغرا ہمایوں مرزا حیاؔ
ہمایون نگر۔ حیدر آباد دکن

جولائی ۱۹۴۹ء

دیباچہ

شاعر اس کو کہتے ہیں جو دن رات اسی شغل میں لگا رہے میں نہ شاعر ہوں نہ شاعرہ۔ جب دل میں کچھ خیال آیا لکھ لیا۔ اور میرے استاد حضرت فصاحت جنگ بہادر جلیل علیہ الرحمہ کی میں شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اصلاح دی جس کے سبب سے میرا کلام درست ہوا۔ اس کتاب کو دیوان نہیں کہہ سکتے بلکہ "دیوانی کی بڑ" کہنا چاہئے۔ میرا کلام اس قابل نہیں ہے جو کتابی شکل میں شائع ہو۔ صرف میرے خسر حضرت سید شاہ الفت حسینی فریاد علیہ الرحمہ عظیم آبادی کی یاد میں اور انہی کے نام پر معنون کرنے کے خیال سے چھپایا ہے۔ خدا کرے اُن کی روح اس کو قبول کرے نہ اور مقبولِ خاص و عام ہو۔ خدا ذرہ نواز ہے۔ ممکن ہے کہ یہ چھوٹی سی کتاب پر اس کی مہربانی و رحمت نازل ہو۔

حضرت فریاد باخدا آدمی تھے اور بہت بڑے رئیس عظیم آباد کے تھے اور بہت بڑے شاعر تھے۔ بہت بڑے خاندان سے تھے۔ بہت بڑے تاریخ دان تھے۔ اُن کے خاندان میں بڑے بڑے

مشائخ و اولیا گزرے ہیں ۔ چند کے نام لکھتی ہوں ۔ حضرت سید شاہ نصیر الدین اودھی چراغ دہلوی وخلیفہ و جانشین نظام الدین اولیا ؒ ۔ حضرت سید شاہ سلام اللہ گیاوی پیر و مرشد فرخ سیر شہنشاہ دہلی ۔ حضرت سید شاہ غلام علی قادس سرہٗ۔ نواب سید محمد نصیر خاں نصیر الملک وزیر تانا شاہ ۔ نواب سید محمد حسین خاں امیر الامرا ۔ نواب سید عبداللہ خاں قطب الملک جو سلاطینی گرد دہلی تھے ۔ نواب سید محمد قابل خاں وزیر دارالانشا شاہجہان وغیرہ ۔ حضرت کے شاگردوں میں علی محمد شاد عظیم آبادی[1] حضرت سید امداد امام صاحب اثر والد بزرگوار سر علی امام صاحب مرحوم اور محمد عبدالرؤف صاحب وحید وغیرہ تھے ۔

میں یہاں پر حضرت فریاد کا کلام لکھتی ہوں ۔ جس سے اُن کے خاندانی حالات معلوم ہوں گے ۔

دو گوہر ز گنج عطائے بزرگ	عطا کرد مارا خدائے بزرگ
یکے گوہر پاک آبائے من	دگر جوہر طبع والائے من
ملاذ سر سروراں بودہ اند	بگیتی بنام و نشاں بودہ اند
پدر بر پدر جملہ آبائے من	بزرگان ارشاد فرمائے من
پدر را نسب از سر آگہی	بموسیٰ ابن جعفرؑ شود منتہی
علی ابن موسیٰ جد مادریست	کہ روشن دُرِ دُرج پیغمبریست

[1] امام موسیٰ کاظم ۔ حضرت کی سوانح عمری لکھی جو ۲۷۰ صفحا کی ہے "حیات فریاد"

یسے از بزرگان ایں دودہ اند — کہ کامل ترین اولیاء بودہ اند

معظم ترین است محبوب[1] پاک — کہ فیضش بود از سمک تا سماک

نیایم یکے مرشد ہانسویست — کہ گنجور گنجینۂ معنویست

بدہلی بود شاہِ روشن چراغ[2] — دو گیتی زعطرش معطر دماغ

نیائے دگر بوالفرح بودہ است — کہ در خطۂ واسط آسودہ است

دگر آن جلال جلالت پناہ — کہ پانی پت[3] اورا بود خوابگاہ

ولیکن بریں نسبت و اعتبار — نباشد مرا نازش و افتخار

نہ زیبد مرا ناز برجائے خویش — کہ نازند بر فضل آبائے خویش

در فخر بر روئے خود باز کرد — کہ بر جوہر ذات خود ناز کرد

متاعے گر از خود نداری بدست — زبیگانہ شود آنچہ آری بدست

—— حضرت فریاد کا اردو کلام ——

جس کو دیکھا وہ خطِ باطل نظر آیا مجھے

صرف دیوانہ تیرا عاقل نظر آیا مجھے

ساربان سے کہتی تھی لیلیٰ کہ تو بھی مڑ کے دیکھ

کوئی دیوانہ پسِ محمل نظر آیا مجھے

اللہ اللہ مرجعِ عالم ہے تیری بارگاہ

شاہ بھی در پر ترے سائل نظر آیا مجھے

کھل گئی وہ زلف تحریکِ صبا سے جس گھڑی

اس کے ہر ایک پیچ میں اک دل نظر آیا مجھے

[1] غوث اعظم۔ [2] چراغ دہلوی۔ [3] بوعلی قلندر پانی پتی۔

عمر گزری بیٹھے فرہاد بحرِ عشق میں
پر نہ اس کا آج تک ساحل نظر آیا مجھے

دیگر

رہرووں کے نقشِ پا کا ہم اثر پاتے نہیں
آہ اپنے قافلہ کی کچھ خبر پاتے نہیں

جلوۂ ظاہر سے رتبہ پیے ہنر پاتے نہیں
قطرۂ شبنم کو ہم سلکِ گہر پاتے نہیں

صدمۂ اندوہ سے شاید کلیجہ پھٹ گیا
آج ہم وہ لذتِ دردِ جگر پاتے نہیں

خاک میں بھی تیرے دکھ دینے سے اے چرخِ ستمگر
کیا مصیبت ہے کہ سونے نیند بھر پاتے نہیں

بادیہ ہے ہولناک اور منزلِ مقصد ہے دور
کس سے جی بہلائیں کوئی ہم سفر پاتے نہیں

بیکسی اپنے شہید ناز کی ہم سے نہ پوچھ
جس کے ماتم میں کسی کو نوحہ گر پاتے نہیں

کیا کوئی پھل پائے گا فرہاد نخلِ عشق سے
جز نخلِ داغِ جگر جس کا ثمر پاتے نہیں

حضرت کی بہت سی تصانیف ہیں۔ "دبستانِ اخلاق" گلستاں کے جواب میں ۹۳۳ صفحات کی چھپے سائز کی کتاب ہے۔

صفدر اسپاہان مرزا

کلام جناب سید ہمایوں مرزا علیہ الرحمہ

ہوا کسی پر نہ احسانِ محمدؐ
ملائک ہیں ثنا خوانِ محمدؐ

بیاں کیا خاک ہو میری زباں سے
خدا نے خود لکھی شانِ محمدؐ

تھکے روح القدس بھی لکھتے لکھتے
ثنا اور وصف اور شانِ محمدؐ

مثل سچ ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات
کہاں میں اور کجا شانِ محمدؐ

محمد کے چمن کے گل حسنؑ ہیں
رہے تازہ گلستانِ محمدؐ

حسینؑ کشتہ و شاہِ شہیداں
علیؑ کے دل ہیں ارمانِ محمدؐ

نجات اُس کو جہنم سے ملے گی
جو آئے زیرِ دامانِ محمدؐ

اُٹھوں گا حشر کے دن میں یہ کہتا
بچا لیں گے غلامانِ محمدؐ

یہ دولت کیا ہے عزیز و اقربا کیا
ہیں ہم دل سو جاں سے قربانِ محمدؐ

حقیر و روسیاہ کو خوف کیا ہے
وہ ہے اے دل ثنا خوانِ محمدؐ

ف؎ سید ہمایوں مرزا صاحب بھی شاعر تھے ان کا دیوان چھپا ہے جس کا نام "محبانِ فصاحت" ہے حقیر تخلص کرتے تھے اور ہما تا ہندی میں ہمایوں

تخلص تنہا۔ شاعر تھے، بیرسٹر تھے، بڑے مدبر، تاریخ داں، رحم دل، اِن کی بہت سی تصنیفیں ہیں۔ "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"۔

صغرا ہمایوں مرزا
۱۵ر جولائی ۱۹۴۹ء

یااللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

وحدۃ الوجود

گل میں شجر میں تو ہے شمس و قمر میں تو ہے

ہر جا چمک رہا ہے بس تو ہی چار سو ہے

اوحد کہیں ہوا تو، احمد کہیں بنا تو

پنہاں کبھی ہے ہوتا گہہ ہوتا دو بدو ہے

منصور بھی تھا تو ہی اور دار بھی تھا تو ہی

ناحق وہ بندۂ حق بدنام کو بکو ہے

دیر و حرم کلیسا بے کار کا ہے جھگڑا

یہ سب ہیں تیرے مسکن جس جا پہ دیکھو تو ہے

محفوظ رکھ خدایا یہ ہے دعا حیا کی

تیری ہی دی ہوئی ہے اس کی جو آبرو ہے

دیگر غزل حمدیہ

آنکھ میں نور ہو دل میرا منوّر ہو جائے
جز تجلی کے ترے اور نظر کچھ بھی نہ آئے

بے خبر سب سے رہوں محو تصوّر ہو کر
یاد تیری مجھے دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑائے

میں فدائی ہوں محمدؐ کی علیؑ کی شیدائی
گر ہو دنیا کی محبت تو وہ دل سے مٹ جائے

میں ہوں ناچیز ترے فضل سے امید ہے یہ
کام ایسا میں کروں نام جہاں میں رہ جائے

مجھ کو بلواؤ مدینہ میں دکھا دو روضہ[1]
وقت آخر نہ یہ حسرت مرے دل میں رہ جائے

ہے حیا کی یہ دعا تجھ سے خدایا ہر دم
میرے سینہ میں میرے دل میں ترا نور سمائے

[1] حج کو جانے کی تیاری تمام ہو چکی تھی لیکن ڈاکٹروں نے منع کیا دل کمزور ہے۔

نعتیہ غزل

پیدا ہوا جو بالک کون و مکاں ہے آج
نور رسول پاک سے روشن جہاں ہے آج

وحدت کا نور ذات سے پھیلا جو آپ کی
کفر اور شرک سارے جہاں سے نہاں ہے آج

مومن جو ہے وہ پڑھتا درود و سلام ہے
مصروف نعت پاک ہر اک کی زباں ہے آج

خوش ہو کے مل رہا ہے گلے سے گلے ہر ایک
چہروں سے مومنوں کے خوشی کیا عیاں ہے آج

تعریف کیا کرے ہو اپنے رسول کی
سچ ہے ثنا و وصف سے عاجز زباں ہے آج

غزل تعریف حضرت علیؑ

ہے تمنا کہ لکھوں میں بھی علیؑ کی تعریف
عرش پر قدسیوں نے جس کی ہے لکھی تعریف

لافتیٰ جس کے لئے آیا ملی جس کو سیف
شان میں نادِ علی جس کی ہے اُس کی تعریف

میرے مولا کی ثنا کی نہ کوئی حد نہ حساب
ختم ہوتی نہیں لکھے کوئی کتنی تعریف

ذہن میں آتا نہیں کوئی مناسب مضمون
جیسے امکان سے باہر ہو خدا کی تعریف

یہ حیا کی نہیں طاقت کہ کرے وصف علیؑ
وہ علیؑ جس کی کہ خالق نے ہے لکھی تعریف

۵

دیگر در شان مشکل کشا

دست خدا بھی تم ہو شیر خدا بھی تم ہو
کہتے علیؑ ہیں تم کو اور مرتضیٰؑ بھی تم ہو

عشق خدا ہیں تم نے کعبہ کے بت جو توڑے
بازوئے مصطفےٰؐ ہو مشکل کشا بھی تم ہو

اوڑھی نبی کی چادر ہجرت کی شب کو تم نے
ناصر رسول کے ہو شیر خدا بھی تم ہو

خالق کی تھی عنایت دی ذوالفقار تم کو
اور دی نبیؐ نے دختر خاص خدا بھی تم ہو

کی جس نے تم سے الفت اس کیلئے ہے جنت
پیارے رسول کے ہو ظل خدا بھی تم ہو

آئی حیا ہے در پر حاجت وہ اپنی لے کر
حاجت روائی کر دو حاجت روا بھی تم ہو

سلام حضرت امام حسین علیہ السلام

مجرئی کہتے تھے سرور اُس نے کی تقصیر کیا
گل سے کملائے ہوئے بچہ کو مارا تیر کیا

پوچھا اکبر سے زینب نے ہیں کیوں آنسو رواں
نرغۂ اعدا میں جا کر گھر گئے شبیر کیا

کہتے تھے سجاد ہوں ہیں مرضئ حق ہی خموش
قید کر سکتے تھے مجھ کو دشمن بے پیر کیا

حلقۂ آہن ہیں میرے آگے تارِ عنکبوت
زور کے آگے مرے یہ طوق کیا زنجیر کیا

چرخ کی جانب اُٹھا کر لاشِ اصغر بولے شاہ
کیوں فلک معصوم سے آخر ہوئی تقصیر کیا

رو کے اکبر سے کہا بانو نے مادر ہو نثار
پھر نہ دکھلاؤ گے ماں کو چاند سی تصویر کیا

حرملہ کہتا تھا اصغر سے کہ خلعت دو مجھے
ہو گیا ہے کارگر بچہ پہ میرا تیر کیا

جب چڑھے عون و محمد رن پہ بجلی گر پڑی
غل ہوا لشکر میں شیر آئے کریں تدبیر کیا

مدح گوئے آل احمد ہوں حیا یہ فخر ہے
ورنہ میں کیا ہوں زمانہ میں میری توقیر کیا

نوحۂ حضرت فاطمہ

حسنین کا نوحہ تھا بصد گریہ و زاری اے فاطمہ زہرا
آئی ہے ہمیں لینے کو نانا کی سواری اے فاطمہ زہرا

جبتک رہیں زندہ کبھی آرام نہ پایا غم آپ نے کھایا
اس عالم فانی میں مصیبت سے گزاری اے فاطمہ زہرا

مرنے پہ بھی پہلو نہ ملا باپ کا غم کو ہے رنج یہ ہمکو
گو جانتے تھے سب ہے بابا کی دلاری اے فاطمہ زہرا

آجاتی ہیں جب یاد محبت کی وہ باتیں دن ہو کہ ہوں راتیں
سینہ پہ چلا کرتی ہے یہ غم کی کٹاری اے فاطمہ زہرا

فریاد حیا کرتی ہے با چاک گریباں سن لیجئے اماں
اولاد کا غم ہے اسے ہے رنج کی ماری اے فاطمہ زہرا ۔

نوحہ حضرت علی علیہ السلام

لاشے پہ علیؑ کے یہی زینب کا بیاں تھا صدقے ہوئی زینب
اے شاہ نجف سرور دیں اے مرے آقا صدقے ہوئی زینب

دنیا میں ہمیں چھوڑ کے جنت کو سدھارے اے خلق کے پیارے
اے شاہ نجف در نجف گوہر یکتا صدقے ہوئی زینب

اماں کا اٹھا سایا جو سر پہ سے ہمارے بابا بھی سدھارے
ہم کس سے کریں جا کے یہ تقدیر کا شکوہ صدقے ہوئی زینب

کلثوم بھی چلاتی ہے اور کرتی ہے فریاد میں ہو گئی ناشاد
اب کوئی بھی آ کر نہیں سینے سے لگاتا صدقے ہوئی زینب

حسنین جو روتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا دل ہے مرا پھٹتا
کوئی بھی نہیں ہے جو دلاسا نہیں دیتا صدقے ہوئی زینب

کیسا ہے یہ زخم آپ کا اب کچھ ہے افاقہ عباس ہے کہتا
للہ اسے کچھ تو کہو دے کے دلاسا صدقے ہوئی زینب

بابا یہ حیا کو تمہیں دشمن سے بچاؤ اور خوش رکھو اس کو
امداد کرو اس کی کہ ہو خلق کے مولا صدقے ہوئی زینب

نوحہ

بیاں کرتی تھی یہ زہرا شہید من حسین من
گیا مارا مرا شیدا شہید من حسین من

رہا دو روز تک پیاسا شہید کربلا ہے ہے
نہ قطرہ آب کا پایا شہید من حسین من

جگر کا کس کے ہے ٹکڑا ہے کس کی آنکھ کا تارا
نہ امت نے ذرا سوچا شہید من حسین من

لگے ہیں نہ صد پنجاہ زخم ایک تن پہ واویلا
ہوا محشر نہ کیوں برپا شہید من حسین من

نہ رہنے پایا یثرب میں نہ پایا چین بطحیٰ میں
گیا پردیس میں مارا شہید من حسین من

کسی سے کیا بیاں ہو آہ حال روز عاشورہ
فلک پر شور تھا برپا شہید من حسین من

حیا یوں عرض کرتی ہے خدا سے آپ دلوائیں
مرے اسکول کو امداد[1] شہید من حسین من

[1] اسکول لڑکیوں کا قائم ہے۔

نوحہ

بانو نے کہا ہائے تو بڑھنے بھی نہ پایا ہے ہے علی اصغر
دنیا سے قضا نے تجھے کیا جلد اُٹھایا ہے ہے علی اصغر

کیوں پاس میں صغرا کے تجھے چھوڑ نہ آئی پچھتاتی ہوں کیسا
قسمت نے عجب روز سیہ مجھ کو دکھایا ہے ہے علی اصغر

کس ظالم اظلم نے رُلانے کے لئے آہ خاتونِ جناں کو
اک تیر سہ شعبہ سے ترا دودھ بڑھایا ہے ہے علی اصغر

بند آنکھیں کئے خاک پہ بے ہوش پڑا ہے اکبر کے برابر
واری گئی پروان بھی تو چڑھنے نہ پایا ہے ہے علی اصغر

ارمان تھا یہ دل میں ترا بیاہ کروں گی چھٹپن ہی میں جانی
افسوس کہ تو گھٹنوں بھی چلنے نہ پایا ہے ہے علی اصغرؑ

کہتی تھی حیا رو رو کے یوں مادر ناشاد سر پیٹ کے اپنا
یہ ماہ محرم کا تجھے راس نہ آیا ہے ہے علی اصغر

نوحہ

بانو کہتی تھی رو کر بلا دو میرے اصغر سے مجھ کو ملا دو
میری گودی میں لا کر بٹھا دو میرے اصغر سے مجھ کو ملا دو
جس گھڑی سے گئے ہیں سفر میں آگ سلگی ہوئی ہے جگر میں
آتش ہجر لوگو بجھا دو میرے اصغر سے مجھ کو ملا دو
ہے ڈھلاشہ کے ہاتھوں پہ ننکا منہ میں رکھے ہوئے ہے انگوٹھا
میری چھاتی سے آکر لگا دو میرے اصغر سے مجھ کو ملا دو
دھوپ ڈھلتی ہے جلتی زمین ہے میرے بچہ پہ سایا نہیں ہے
خاک میں کوئی جا کر چھپا دو میرے اصغر سے مجھ کو ملا دو
میں نہ جاؤں گی سوئے مدینہ بے پسر مجھ کو مشکل ہے جینا
زیر خاک اب مجھے بھی دبا دو میرے اصغر سے مجھ کو ملا دو
گود خالی ہے کیوں ہوں نہ مضطر دیکھوں دیدار کب ہو میسر
پھر مسافر کی صورت دکھا دو میرے اصغر سے مجھ کو ملا دو
اے حیا رو رو کہتی تھی بانوئے شیر حق کی دہائی ہے لوگو
ہے کہاں میرا دلبر بتا دو میرے اصغر سے مجھ کو ملا دو

درشان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

صغرا ہمایوں مرزا دسمبر ۱۹۲۸ء کو جبکہ عرس اجمیر شریف گئی تھیں اُس وقت یہ نظم لکھیں

ناز کیوں کر نہ کروں اپنے مقدر پہ بھلا
کھل گئی دل کی کلی روضۂ خواجہ دیکھا

شوق تھا حد سے فزوں آنکھوں سے چل کر آئی
صدقۂ خواجہ کے دیا حکم تو قسمت لائی

حکم جب تک کہ نہ ہو ہمت و طاقت کس کی
آئے دربار میں بے اذن یہ جرأت کس کی

ہند تاریک تھا اور کفر و ضلالت سے بھرا
آپ نے مشعل توحید سے پُر نور کیا

فیض بار آپ کا دربار ہمیشہ سے رہا
کوئی بھی آپ کے در سے نہیں محروم رہا

آپ اولاد میں ہیں فاطمہ کے کیا کہنا
آپ کے نام سے توحید کا ڈنکا ہے بجا

جتنے مشرک تھے انہیں داخل اسلام کیا
کافروں کو جو کیا رام بڑا کام کیا

میرے خواجہ میری بگڑی کے بنانے والے
مقصدوں اور مرادوں کے دلانے والے

آرزو دل میں لئے آئی ہے ناچیز حیا
اس پہ ہو جائے عنائت کی نظر یا خواجہ

ترانۂ وطن

ملکی ہیں ہم وطن ہے ملک دکن ہمارا
یہ ہے زمیں ہماری یہ ہے وطن ہمارا

تبریز کو بھی چھوڑا ایران[1] کو بھی چھوڑا
ملک دکن بنا ہے اب تو وطن ہمارا

ہم ڈیڑھ سو برس سے آکر بسے ہیں اس جا
یہ ہے زمیں ہماری چرخ کہن ہمارا

رکھتے ہیں جس کی الفت گاتے ہیں جس کا نغمہ
آقائے بندہ پرور شاہ دکن ہمارا

سن کر حیا کا نغمہ محظوظ ہوں گے سامع
دیتا ہے کیا حلاوت شیریں سخن ہمارا

---

[1] صغرا ہمایوں مرزا کا ننھیال ایرانی ددھیال ترکی۔

غزل

دِل میرا لے کے تم جو کرتے ہو بَرمَلا

صورت بھی تم دکھانے کے قابل رہے بھلا

کب تک رہو گے یاد بتاں میں بتاؤ تو

مصروف ہو عبادتِ خالق میں بھی ذرا

میں نے فراق میں تیرے چھوڑا جہان کو

تیرا وصال تاکہ میسّر ہو اے خدا

اک روز ایسی عابد و زاہد حیا بنے

قربت خدا سے ہو ہے یہی دل کا مدعا

غزل

مجھ سے ملنے کے لئے ماہ وہ گھر سے نکلا
کام میرا میری آہوں کے اثر سے نکلا

ہوگئیں مشکلیں آسان مری دم بھر میں
نیک اختر یہ میرا شمس و قمر سے نکلا

کیا وہ مطلب تھا فرشتے ہیں سمجھے جسکو
آسماں پہ وہی مطلب تو بشر سے نکلا

میٹھی باتوں سے نکلتا ہے جو مقصد اپنا
وہ نہ دنیا میں کبھی لعل و گہر سے نکلا

بعد مدت کے وہ آیا تو یہ میں نے کہا
کس طرف سجدہ کروں چاند کدھر سے نکلا

آپ نے خاک جو چھانی ہے حیا دنیا کی
فائدہ آپ کا کیا اتنے سفر سے نکلا

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ کو یوسف علی مرزا سلمہ کی شادی کی تقریب میں یہ سہرا کہا گیا

ہے کس غضب کا الٰہی نکھار سہرے میں
چھپی ہے ان کے گویا بہار سہرے میں

ذرا تو دیکھئے لڑیوں کی آج گستاخی
یہ بے حجابی سے ہیں ہمکنار سہرے میں

ہو عمر اتنی خدایا عروس و نوشاہ کی
کہ جتنے پھول ہیں بے شمار سہرے میں

یہ اضطراب ہے کیسا یہ بے کلی کیسی
یہ آنکھیں کس کی کہ ہیں امیدوار سہرے میں

یہ بے سبب نہیں نوشاہ کی نظریں نیچی
وفورِ شوق سے ہے شرمسار سہرے میں

خوشی کا مرے ٹھکانا نہیں ہے اب کوئی!
ہے جن کے لطف سے پیدا وقار سہرے میں

الٰہی قائم و دائم رہیں یہ عہد تمام
ہوئے ہیں آج جو قول و قرار سہرے میں

جو دیکھ پائے زلیخا تو یہ پکار اٹھے
میں کیوں نہوں تیرے یوسف نثار سہرے میں

دعا حیا کی ہے پروردگار دونوں کے
تعلقات رہیں خوشگوار سہرے میں

مہندی

دل کے ہاتھوں میں وہ مہندی جو رچا کرتے ہیں
خون عشاق شب و روز ہوا کرتے ہیں
یاد میں اس بت بے پیر کی بت خانے میں
سحر و شام یہ ناقوس بجا کرتے ہیں
دیکھ کر اپنے مسیحا کو کہا یہ میں نے
اپنے بیمار کی اس طرح دوا کرتے ہیں
مسکراتے ہیں بہت آج خدا خیر کرے
نہیں معلوم کہ وہ کس سے دغا کرتے ہیں
چاہتا ان کو ہوں میں جان سے بھی اپنی سوا
کیا قیامت ہے کہ الٹا وہ گلہ کرتے ہیں
بھری محفل میں رقیبوں سے تو ہنستے ہیں بہت
ہے غضب یہ کہ حیا سے وہ حیا کرتے ہیں
خوف دل میں تو کسی کا بھی نہیں اپنے حیا
ہم فقط اپنے خدا ہی سے ڈرا کرتے ہیں

غزل دیگر

گھر وہ غیروں کے رہا کرتے ہیں
دیکھ کر ہم یہ جلا کرتے ہیں
ہے ستم تیری جدائی مجھ پہ
چشم سے اشک بہا کرتے ہیں
اپنی باتوں کا نہیں کرتے خیال
مجھ سے الٹا وہ گلہ کرتے ہیں
کر چکے عشقِ بتاں ترک حیا
اب تو ہم ذکرِ خدا کرتے ہیں

بتقریب سلور جوبلی مبارک

بپیش گاہ حضرت اقدس و اعلیٰ لفٹنٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائینس
سپہ سالار آصف جاہ مظفر الملک و الممالک نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علی خاں بہادر
فتح جنگ سلطان العلوم

بہار آئی چمن میں اب تو رنگ بوستاں بدلا — فضا کچھ ایسی بدلی ہے زمین و آسماں بدلا

جہاں دیکھو وہاں خوشیاں جدھر جاؤ ادھر جلسے — چمن کا رنگ بدلا بلبلوں نے آشیاں بدلا

ہے جشن جوبلی کا وہ اثر اس باغ ہستی پہ — زمیں پہ گل کھلے عشرت کے رنگ آسماں بدلا

ہمارے ملک میں جس سمت دیکھو شادمانی ہے — دلوں میں آ گئی راحت کہ کلفت کا سماں بدلا

دکن کی جو تھیں کمزور اور تھیں جاہل و ناداں — شہ عثماں نے دی تعلیم نقشہ بیگماں بدلا

ہوا روشن خیال ایسا دکن کا طبقۂ نسواں — روش بدلی چلن بدلا زباں بدلی بیاں بدلا

بتوں کی آشنائی اے حیا اچھی نہیں ہرگز
نظر اس بت کی کیا بدلی کہ مجھ سے اک جہاں بدلا

غزل

کر دیے مجھکو میرے کاموں میں خدایا کامیاب
میں قدم جس جا پہ رکھوں ہو عزم میرا کامیاب

دیکھکر دشمن میرے حیران ہیں ہر کام کو
رشک ان کا بڑھ گیا مجھ کو جو دیکھا کامیاب

دیکھکر اقبال میرا ہنسکے کہتے ہیں یہ دوست
دل ہمارا کیوں نہ خوش ہو جب ہو صغرا کامیاب

دیکھکر دنیا کی حالت دل یہ کہتا ہے میرا
ہیں یہ سب ناکام ہم ہیں ایک تنہا کامیاب

آئینگے شاہ دکن جب میرے گھر میں قدم
میں سمجھ لوں گی ہوا قسمت کا لکھا کامیاب

دیکھکر میں شاہ کو کیا نذر دوں حیران ہوں
اک قلم ہے ہاتھ میں جس نے بنایا کامیاب

میں نے رکھا ہے بھروسا اک خدا کی ذات پر
اس نے اپنے فضل سے مجھ کو بنایا کامیاب

ہے یہ میری آرزو جاؤں مدینے کو کبھی
ہے یقیں مجھ کو کریں گے میرے مولا کامیاب

میرے آقا میرے ہادی میرے رہبر ہیں علی
مشکلیں آسان کر دیں اور بنایا کامیاب

یا علی وقت نجف کی سرزمیں میں جس گھڑی
خوش ہوئی ہیں دیکھ کر دربار مولا کامیاب

قوم کی کرتے ہوئے خدمت حیا کی ہے دعا!
کام جو کچھ میں کروں خالق ہو سارا کامیاب

سامنے ۹

صغرا ہمایوں مرزا کی ایک بہن کی لڑکی ممتاز جہاں اور دوسری بہن کا لڑکا سید کاظم کی شادی کی تقریب میں یہ غزل لکھی گئی۔

شادی کاظم نوشاہ مبارک یارب
اور ممتاز کو یہ بیاہ مبارک یارب

بھائی اعجاز کو یہ پارہ مبارک ہو بہو
اور تقی بھائی کو نوشاہ مبارک یارب

سہرا دونوں کا دکھایا ہے مقدر نے آج
میری بہنوں کو بصد جاہ مبارک یارب

آنکھ کا نور ہے اک دوسرا ہے دل کا سرور
دونوں آباد رہیں بیاہ مبارک یارب

سارے کنبے کو نہ کیوں کر ہو مسرت اس کی
سب کو ارمان تھا سہرا بیاہ مبارک یارب

حسن و خوبی کی ہیں تصویر عروس و نوشاہ
قربت مشتری و ماہ مبارک یارب

ہے حیا کی یہ دعا دلہا دولھن شاد رہیں
عیش و عشرت انہیں دل خواہ مبارک یارب

۲۲

نورانی رات

یاد نے تیری ستایا جو مجھے کل کی رات
رونے میں اور تڑپنے میں کٹی ساری رات

خواب میں دیکھ کے جلوہ میں تیرا اٹھ بیٹھی
کاش میں سوتی پڑی رہتی خدا ساری رات

دن جب آتا ہے تو پھر رات چلی آتی ہے
ہائے آتی نہیں وہ نور کی نورانی رات

نام لے لے کے میں سو جاؤں خدایا تیرا
خواب میں تو ہی نظر آئے مجھے ساری رات

ہاتھ میں جام کسی کے تو کسی کے تسبیح
ہم نے سجادہ پہ سر رکھے ہوئے کاٹی رات

شان و شوکت سے جو آتے ہوئے دیکھا اُن کو
ہنس کے کہتی ہے حیا تم نے کہاں کاٹی رات

۲۳

غزل

دل کسی شے سے لگانا ہے عبث
عمر دو روزہ گنوانا ہے عبث

عشق سے ہوگی رہائی نہ کبھی
زلف میں دل کا پھنسانا ہے عبث

کچھ نہیں رنج و مصیبت کے سوا
محفلِ یار میں جانا ہے عبث

بُت نہیں ہوتے وفادار کبھی
نازِ معشوق اٹھانا ہے عبث

اے حیا ہم نے جہاں کو دیکھا
دل کو دنیا میں پھنسانا ہے عبث

میرے بعد

کوئی بھی آئے گا تربت پہ بھلا میرے بعد　　خاک آ آ کے اڑائے گی صبا میرے بعد

جیتے جی قدر کسی نے بھی نہ جانی افسوس　　یاد میں روئیگا پھر کون بھلا میرے بعد

سب یہ منہ دیکھے کی باتیں ہیں کہاں کی الفت　　یاد کرنے کے نہیں یاں اہلِ جفا میرے بعد

قوم نے قدر نہ کی رہ گئی حسرت دل میں　　میری تربت سے یہ آئیگی صدا میرے بعد

فاتحہ پڑھنے کو آیا تو بہت رو رو کر　　بخشے اس کو خدا اس نے کہا میرے بعد

زندگی میں تو بصد میں نے نہ پایا ہرگز　　کام سب میرے ہوں مقبول خدا میرے بعد

یہ وصیت ہے کہ جس کو ہے محبت مجھ سے　　پھول تربت پہ چڑھا جائے ذرا میرے بعد

پوچھتی تم سے حیا ہے یہ بتا دو مجھ کو
اب نہیں آتے ہو پھر آؤ گے کیا میرے بعد

مبارک بادشادی مہدی علی مرزا برادر خورد حیاؔ

آج سہرے سے بڑھی شان مبارک باشد — نکلے دل کے تیرے ارمان مبارک باشد

فصلِ گل آئی تو گلچین نے کہا بلبل سے — چہچہانے کے ہیں قربان مبارک باشد

دیکھا لیلیٰ کو تو ہنس کر یہ کہا مجنوں نے — تجھ کو یہ محمل پرستان مبارک باشد

گھر میں میرے ہے رچی آج کے دن جو شادی — دوستوں کو میری ہر آن مبارک باشد

مہدی دولھا ہے بنا آئی ہے پیاری سی دلھن — اس کو عشرت کا یہ سامان مبارک باشد

وہ بھی دن آئے نہیں باقر[۱] و حیدر دولھا — نکلیں دل کے میرے ارمان مبارک باشد

دن تو ہنستے میں کٹا رات بھی عشرت میں کٹی — سال نو ہم کو ہر اک آن مبارک باشد

دیکھ کر مجمع حسینوں کا سرِ بزم حیاؔ
کہتے ہیں سب یہ پرستان مبارک باشد

[۱] باقر علی مرزا بی۔اے جو اب ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔

غزل

میرا دل نہیں ہے زمانے کے قابل
میں کب ہوں کہیں آنے جانے کے قابل

نئی روشنی ہے نیا ہے زمانہ
نہ میں ہوں نہ وہ ہیں زمانے کے قابل

بہت جورِ دنیا اٹھائے ہیں ہم نے
نہیں ہم رہے اب ستانے کے قابل

مروّت محبّت مٹی ہے جہاں سے
نہیں اب کوئی دل لگانے کے قابل

سب ہی مطلبی ہیں غرض کے ہیں بندے
نہیں کوئی اب منہ لگانے کے قابل

حیاؔ ایسے مرشد کی جو یا ہے سن لو
جو اسرارِ حق ہو سنانے کے قابل

بمبئی میں بہت زور کی بارش ہوئی، بجلی کے کھم اکھڑ گئے، بجلی و ہوا کا زور تھا تمام بمبئی میں اندھیرا ہو گیا تھا اسوقت یہ غزل لکھی گئی۔

گہے باراں، گہے گریا، گہے بادِ صبا ہستم
گہے سجدہ، گہے کعبہ، گہے بدر الدجیٰ ہستم
گہے تیرہ، گہے روشن، گہے آتش فشاں ہستم
گہے زندہ، گہے مردہ، گہے خاکِ شفا ہستم
منم ساقی، منم ساغر، منم بادہ، منم آدم
منم گریاں، منم خنداں و من بادِ فنا ہستم
منم خاکی، منم بادی، منم آبی، منم نارا
منم قائم، منم دائم، من اسرارِ بقا ہستم
منم رحمت، منم زحمت، منم جادو، منم افسوں
منم دوزخ، منم جنت، منم ارض و سما ہستم
زمین دارم، زماں دارم، افلاک دارم، ملک دارم
نہ من دانم کہ کی ہستم، کجا بودم کجا ہستم
حیا گر تو بقا خواہی بیا آں جا کہ من گویم
گہے یادِ خدا باشی کہ من یادِ خدا ہستم

غزل

شکوہ نہیں کسی سے ہمیں کچھ گلہ نہیں
تقدیر کے بُرے ہیں، اگر بے وفا نہیں

ظلم و ستم سہا کئے فرقت میں رات دن
افسوس دل میں تیرے ذرا بھی وفا نہیں

مجھ کو رُلا کے آپ کا ہنسنا غضب کا ہے
ارشاد اس پہ ہے کہ شکایت بجا نہیں

دل لے کے میرا آپ مکرتے ہیں برملا
کہتے ہیں مجھ سے صاف کہ تو نے دیا نہیں

خدمت میں قوم کی رہو مشغول تم حبیبا
رہتا جہاں میں کوئی بھی ہرگز سدا نہیں

۲۹

غزل

دردِ فرقت کا گلہ جاتا نہیں
بے کہے بھی تو رہا جاتا نہیں

شکوۂ دل سُن کے فرمانے لگے
چپ رہو مجھ سے سُنا جاتا نہیں

پڑھتے پڑھتے دردِ سر ہونے لگا
اب تو مجھ سے کچھ پڑھا جاتا نہیں

حضرتِ مونسؔ[1] نے لکھوائی غزل
ورنہ مجھ سے تو لکھا جاتا نہیں

بے خودی میں میں نے سب کچھ کہہ دیا
ورنہ مجھ سے تو کہا جاتا نہیں

تم تو کہتے ہو کہ آجاؤ یہاں
مجھ سے تو بالکل اٹھا جاتا نہیں

اُس کی رحمت سے نہ ہو مایوس تم
اے حیاؔ وقتِ دُعا جاتا نہیں

---

[1] حضرت جلیل صاحب مرحوم کے فرزند

۳۰

غزل

کیا میں نے خطا کی ہے جو تم مجھ سے خفا ہو
ہر بات پہ راضی ہوں کرم ہو کہ جفا ہو

تم پاؤں زمیں پر نہ رکھو سوچتے کیا ہو!
کچھ فرض یہی ہے کہ قیامت ہی بپا ہو

ناحق وہ خفا مجھ سے ہیں بیزار ہیں قاصد
گر تو ہی منا لائے تو احسان بڑا ہو

شب کو بھی مکاں پر نہیں تم رہتے ہو دم بھر
سو بار پکار آئے کہاں ماہِ لقا ہو

دل میں تو میرے تیرے سوا کوئی نہیں اور
میں چاہتا ہوں تجھ میں بھی ایسی ہی وفا ہو

جب ہم نے حبیبا دل نہ دیا اور کسی کو!
بے جا ہے جو پھر ہم پہ ستم اور جفا ہو

مسیحا آکے بالیں پر جو رو جائے تو رو جائے!
نصیبا جاگ کر اپنا جو سو جائے تو سو جائے

مجھے پروا نہ اچھے کی برائی کا نہ خطرہ ہے
میرا دل تیرے ہاتھوں سے جو کھو جائے تو کھو جائے

نہ جینے کی خوشی مجھ کو نہ مرنے کا الم کچھ ہے
جو ہونا ہے مقدر میں وہ ہو جائے تو ہو جائے

رقیب روسیہ سے ہے عبث امید نیکی کی
کوئی کانٹا میرے حق میں جو بو جائے تو بو جائے

نہ کی کچھ قدر جیتے جی وہ پچھتا نا ہے مرنے پر
میری تربت پہ اب آ کر جو رو جائے تو رو جائے

میرے اشک ندامت سے حیا مجھکو یقیں ہے یہ
گنہ جو کچھ ہوا مجھ سے وہ دھو جائے تو دھو جائے

مصیبت کو نہ سمجھو تم مصیبت عین راحت ہے
مصیبت کو جو سمجھے عین راحت وہ کرامت ہے

نہ ہو مغموم جو غم سے نہ ہو مسرور راحت سے
حقیقی ہے خوشی اُس کو مسرت ہی مسرت ہے

خوشی اور عیش و راحت میں خدا کو بھول جاتے ہیں
خدا کو یاد اس حالت میں رکھنا اک سعادت ہے

ہمیشہ رات دن جو خوشیوں میں مشغول رہتے ہیں
اگر ہو جائے کوئی غم تو بس دیکھو قیامت ہے

حیاؔ کی گر خوشی چاہو تو مانو بات اک اس کی
کرو غم کی نہ پروا کچھ اسی سے تم کو راحت ہے

لارڈ و لیڈی اروِن صاحبہ والسرائے ہند جب حیدرآباد تشریف لائے ۱۹۱۲ء میں ریذیڈنسی میں عورتوں کا جلسہ ہوا اور ہاں صغرا ہمایوں مرزا نے انجمن خواتین دکن کے جانب سے پھول پہنائے اور یہ نظم اُن کو آئینہ کے فریم لگوا کر دی سارداایکٹ پر قانون بنایا تھا اُس کے شکریہ میں یہ نظم لکھی گئی۔

حیدرآباد خوشا وقت و خوشا بخت تیرا
تیرے اترانے کا موقع ہے ابھی ہاتھ آیا

سرزمیں پر تیری آئے ہیں قدم کن کن کے — لیڈی اروِن کے فلک مرتبہ لارڈ اروِن کے
جن کے آنے کی تمنا تھی وہ مہماں آئے — ہند کے خیر طلب نائب سلطان آئے
حیدرآباد بنا آج ہے جو تھی کی دولھن — کیا نکھار اس کا ہے کیا حسن ہے کیسا جوبن
سارداایکٹ کا بنایا جو گیا ہے قانون — خرم و شاد ہوئی دیکھ کے ہر اک خاتون
کیوں نہ شاد ہوں قانون ہی ایسا ہی بنا — وہ جو ہونے کی ہوتی تھی جو عورت پہ جفا
عورتوں کی جو حفاظت کا ہے سامان مضمر — دیکھ کر اس کو مخالف ہوئے کیا کیا مضطر
انجمن نام خواتین دکن جس کا ہے — جس کے کاموں کا بہت دور تلک چرچا ہے
اُس کی جانب سے میں حاضر ہوا سی جا آکر — خیر مقدم میں کروں آپ کا والا گوہر
لارڈ اروِن سے یہ فرمائیں ہمارا پیغام — عورتیں آپ کی شکور رہیں اے فخر انام
لارڈ صاحب کا جو احسان ہے کروں شکرانا — عورتیں ہند کی کہیں گی اسے یاد سدا
پاس قانون کیا سچ ہے بڑا کام کیا — اس سے احسان کیا ہند پہ اور نام کیا!

ہز ہائینس شہزادہ صاحب مکرم جاہ بہادر دام اقبالہ

کی پہلی سالگرہ کی خوشی میں انجمن خواتین دکن کی جانب سے ۱۳۵۵ھ میں بے بی شو کیا گیا جس کا افتتاح ہز ہائینس شہزادی در شہوار دردانہ بیگم صاحبہ نے فرمایا اس موقع پر یہ نظم لکھی گئی

یہ بزم تہنیت یہ جشن یہ عشرت مبارک ہو — مکرم جاہ کو اللہ کی رحمت مبارک ہو

خوشی کے گل کھلے ہیں آفریں ہر سو عنادل ہیں — یہ روز خرمی یہ عیش کی ساعت مبارک ہو

بڑھے اقبال و شوکت ہو ترقی عمر و دولت میں — سرور و انبساط و راحت و بہجت مبارک ہو

بلائیں لے کے کہتی ہیں نگاہیں جاں نثاروں کی — عروج و ارجمندی کا تمہیں خلعت مبارک ہو

تمہیں ہو نور چشم نور عین آصف سابع — تمہیں ہو مسند اجلال کی زینت مبارک ہو

تمہیں سے شان گلزار دکن کی سب یہ کہتے ہیں — مبارک ہو بہار گلشن جنت مبارک ہو

فروغ حسن سے ہے روشنی پھیلی زمانے میں — تجلی کی ضیا کی نور کی کثرت مبارک ہو

فلک کو ماہ انجم اور دنیا کو یہ شہزادہ — قمر پیکر قمر صورت قمر طلعت مبارک ہو

حیات خضر اقبال سکندر حشمت دارا — اب و جد کی فتوت رفعت و شوکت مبارک ہو

پھلیں پھولیں مکرم جاہ دائم تم کے سایہ میں — نبی کی مہر آل پاک کی شفقت مبارک ہو

مبارک باد دیتی ہے حیا جوش عقیدت سے

گرہ کا جشن با صد سطوت و عظمت مبارک ہو

خالدہ ادیب خانم صاحبہ

ترکی کی رہنے والی مشہور خاتون حیدر آباد ۱۹۳۵ء میں تشریف لائی تھیں اُن کے لئے خواتین کا جلسہ ہوا صغرا ہمایوں مرزا نے تقریر کی اور انجمن کی جانب سے یہ اشعار پڑھے اُس کے بعد اُن کو دیئے

تم نے دنیا میں کیئے وہ کارہائے لاجواب — کیوں نہ ہو پھر نام روشن آج مثل آفتاب

ہے بڑا احسان تیرا آج ملک و قوم پر — کر نہیں سکتے یہ تیرے کارناموں کا حساب

خواب غفلت سے جگایا تم نے اپنی قوم کو — ہو رہی تھی جبکہ استنبول کی حالت خراب

ہے تیری رگ رگ میں پنہاں کوشش حب وطن — ہے تیرے دل میں خیال قوم بیحد و حساب

سرفروشی کے لئے پہلے تو آمادہ ہوئی — چھا رہے تھے ملک پر طیارے جبکہ بیحساب

جب تیری پرمغز تقریروں نے چونکایا انہیں — ہو چکی تھی ورنہ تیری قوم ساری محو خواب

تیری تقریروں کا پھر ہر لفظ نشتر بن گیا — کر دیا اہل وطن کے دل میں جوش انقلاب

ساتھ اپنی قوم کا جنگ سمرنا میں دیا — تم نے بھی کیا کیا اٹھائے ہیں مصائب بیحساب

قوم پھر کیوں کر نہ دے خالدہ خانم تمہیں — جان و دل سے رشک جون آف آرک[۱] کا تم کو خطاب

تیرے آنے سے مسرت آگئی اس بزم میں — اک زمانہ سے تھا ہم کو دیکھنے کا اضطراب

آگئیں ملک دکن میں آج تم بن کر بہار — غنچہ ہائے دل ہمارے کھل گئے مثل گلاب

در دکن اے جان ترکستان ما خوش آمدی — مرحبا صد مرحبا صد مرحبا خوش آمدی

---

۱ جون آف آرک ۔

میجر محمد علی مرزا صاحب مرحوم برادر صغرا ہمایوں مرزا جب جنگ یورپ میں ۱۹۱۴ء میں گئے تھے اُس وقت یہ نظم لکھی تھی اپنے بھائی کی جدائی میں۔

نظم

خدایا محمد علی کو بچانا — اُسے جنگ سے شاد و خرم تو لا
اگر میری قدرت میں ہوتا خدایا — تو موقوف کرتی میں بھائی کا جا
دمِ رزم نصرت ہو تیری طرف سے — مظفر اسے کر کے سب سے ملا
لقب اس کا غازی ہو اور ہو وہ جنرل — جہاں میں تو ممتاز اس کو بنا
محمد علی اک غلامِ علیؑ ہے — علیؑ کی شجاعت سے حصہ دلا
عطا کر حیاتِ خضر اس کو یارب — تو دشمن کے پنجے سے اس کو بچا
رسولِ خدا کی ضمانت میں وہ ہے — اور اپنی حفاظت میں اس کو تو لا
چلے کارزار اب چلا ہے جری وہ — تیسر ہو یورپ میں سکہ جما
بڑھی اُن کی تنخواہ میجر ہوئے ہیں — خدایا مبارک ہو عہدہ یہ

حیا کی دعا ہے یہ تجھ سے الٰہی
مرے بھائی سے مجھ کو زندہ ملانا

باقر علی مرزا صاحب بی۔ اے برادر صغیر اہلیہ مرزا صاحب لندن سے کامیاب
حیدرآباد واپس ہوئے اُس کی خوشی میں نظم لکھی

نظم

صبح ہوتے جو گئی آنکھ ذرا میری جھپک — دی کسی نے وہیں آکر در دل پہ دستک
پوچھا میں نے کہ تو ہے کون ترا نام ہے کیا — ایسے تڑکے یہاں آنے کا ترا کام ہے کیا
بولی ہے نام خوشی ہول میں۔ دلوں کی مختار — ہوتے ہیں نام پہ سب میرے فدا اور نثار
بھاگوان ہوں کہ یہاں آئی ہوں میں او باولا — چاہتے سارے جہاں کے ہیں بچے پیر و جوان
جاں فزا مژدہ سنانے کے لئے آئی ہوں — تم پھڑک جاؤ گی ایسی میں خبر لائی ہوں
بمبئی سے یہ خبر تار میں آج آئی ہے — آتا یورپ سے ہے باقر جو ترا بھائی ہے
نام باقر کا سنا تھا کہ ہوئی شاد ایسی — آنکھیں ملتی ہوئی میں نیند سے بیدار ہوئی
ہنس کے فوراً ہی خوشی نے یہ دیا مجھکو جواب — شام کے قبل ہی آتے ہیں بصد شوق شتاب
شام کے قبل کا جب نام لبوں پر آیا — اضطراب دل مجبور ہوا اور سوا
کیا کہوں کاٹا ہے کس طرح سے یہ دن سارا — شوق دیدار میں مضطر دل بیتاب رہا

میرے مولا نے دکھائی تیری صورت باقر　　شکر خالق کا بجالاؤں میں دل سے کیونکر

دیکھ کر کیوں نہ ہوں شاد تجھے اے باقر　　میرا خالق رکھے آباد تجھے اے باقر

ڈگریاں لے کے وطن آنا مبارک ہو تجھے　　سب عزیزوں کے دلوں میں تھے جو ارماں نکلے

خیر مقدم کے لیے جمع ہے سارا کنبہ　　سب عزیزوں کو مبارک ہو یہ آنا تیرا

وہ بھی دن لائے خدا دیکھوں میں تیرا سہرا　　اور پھر صاحب اولاد کرے تجھ کو خدا

یوں تو سارے ہی عزیزوں کے ہیں پیارے باقر　　بھائی بہنوں کے ہو تم آنکھوں کے تارے باقر

خوب پھولو پھلو سکھ راج رہو میرے لال　　دیکھ کر شاد ہوں بڑھتا ہوا تیرا اقبال

لکھ چکی خوب حیا روک لے خامہ اپنا
عمر و اقبال کی باقر[لہ] کے لئے کر تو دعا

[لہ] - باقر علی مرزا آج کل ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہندو مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے کی
کوشش کر رہے ہیں۔

صغرا ہمایوں مرزا کی حقیقی بھانجی زہرہ سلطانہ مرحومہ
بنت سید اعجاز حسین صاحب مرحوم جس کا سن تیرہ سال کا تھا
اُس کے انتقال پر یہ نظم لکھی ۔

نظم

ہائے کیا جلد جہاں سے تو سدھاری زہرا
تیرا ماتم کروں کس طرح سے پیاری زہرا
کیا قیامت کی گھڑی تھی کہ تجھے تپ آئی
اور پیغام اجل ساتھ وہ اپنے لائی
ڈاکٹر پانچ جو کرتے تھے علاج تیرا
عقل تھی دنگ کسی نے نہ مرض پہچانا
حق تو یہ ہے مرض موت کا کیا چارہ ہے
اس کے پنجے میں بھلا آکے کوئی نکلا ہے
یوں تو مرنے کے لئے ہوتے ہیں پیدا انساں
بوڑھا مرتا ہے کوئی طفل کوئی کوئی جواں
مرنے مرنے میں مگر فرق بھی ہوتا ہے خدا
اک یہ مرنا ہے جو زہرا کیلئے لکھا تھا

تیرھواں سال نہ راس آیا گئی دنیا سے
چھوڑ کر اپنے عزیزوں کو ملی مولا سے
اُس کا وہ حسنِ خداداد وہ ہنستا مکھڑا
آپ ہی آپ ہر اک بات پہ اُس کا ہنسنا
انشا، مجھ کو سنائی ہے کبھی سرتاج سے مجھے
میرے مضمون پہ خوش ہو کے گلے سے لپٹے
اور کہنا یہ کبھی آپ نے کیا خوب لکھا
ایسا مضمون تو اب تک کبھی میں نے دیکھا
خالہ جان میں بھی کبھی ایسی لکھوں گی تحریر
تا کہ اک روز ہو دنیا میں میری بھی توقیر
اک رسالہ میں نکالوں جو ہو مقبولِ جہاں
جس کی تعریف کریں پڑھ کے سبھی پیر و جواں
میرے اسکول کی سب لڑکیاں پڑھ پڑھ کے اسے
اور عزت کریں میری، میری شہرت بھی بڑھے
سن کے باتیں یہ گلے سے میں لگا لیتی تھی!
دل میں خوش ہوتی تھی اور پیار سے یہ کہتی تھی
جیو پروان چڑھو آئے گا وہ بھی اک دن
واری باتیں نہ کرو ایسی ابھی ہو کم سن
بھولی باتیں کبھی اس کی سیانے پن کی

لے ـ رسالہ کا نام ـ

جس سے ہو عمر بھی اور عقل کی ظاہر تیزی
کیا ستم پیر فلک تو نے ہے توڑا ہم پہ
چین آتا نہیں دل کو کسی پہلو دم بھر
خون تمنا کا ہوا نکلی نہ حسرت میری
کھلنے پائی نہ خدا ہائے میرے دل کی کلی
زہرہ سلطان میری کس ناز و نعم سے تھی پلی
دار فانی سے گئی بھی تو وہ ناشاد گئی
جب میں یورپ میں تھی اُس وقت بھی بیچ فقتیں امری
یاد کرتی مجھے اور ماں سے یہ رو کر کہتی
خالہ جان آئیں گی کب اب تو بہت روز ہوئے
جلد آنے کے لئے میں نے کئی خط لکھے
وہ تو آتی نہیں اب آپ ہی چلئے لندن
تا کہ میں ساتھ چلوں اور میرے ہمراہ بہن
بھولی جاتی نہیں اک لحظہ بھی اُس کی باتیں
دن بھی ڈھاتا ہے غضب اور قیامت راتیں
مجھ کو ارمان تھا باندھوں تیرے سر پہ سہرا
اور دولھن بنتے میں دیکھوں تیرا پیارا مکھڑا
میں تو سمجھی تھی کہ تو دیکھے گی میت میری
کیا قیامت ہے کہ روتی ہوں میں میت پہ تیری

خالہ جان کہنا تیرا مجھ کو جو یاد آتا ہے
ایک نشتر سا جگر میں میرے لگ جاتا ہے
یاد میں تیری تیرے غم میں کلیجہ شق ہے
رونے دھونے سے تیرے بھائی کا چہرہ فق ہے
روتی ہے تیری بہن سر کو پٹکتی ہے کبھی
آپا جان کہتی ہے اور پھر وہ مچلتی ہے کبھی
ماں کا جو حال ہے کس منہ سے کروں اُسکو بیان
رو ہی دیتا ہے بشر دیکھ کے اُس کو ہر آن
عالم سکتہ ہے اور اُس کو لگی چپ سی ہے
آنکھیں غمناک ہیں کچھ منہ سے نہیں کہتی ہے
باپ کی تو نے کمر توڑ دی پیاری زہرہ
کیا خبر تھی کہ تو دے جائیگی ایسا دھوکا

ہے حیاؔ کی یہ دعا بخش دے زہرا کو خدا
اپنی خدمت میں لیا حضرت زہرا نے بُلا

مسز داکر صاحبہ جن کے شوہر معین المہام فینانس تھے جب وہ حیدر آباد سے جانے لگیں تو میں نے یہ اشعار کہے تھے مسز واکر نے عورتوں کی ترقی کے لئے بہت سے کام کئے ۔

اشعار

یہ زمین دکن مسز واکر — آپ سے تھے چمن مسز واکر
تم نے سینچا خیال سے اپنے — خشک تھا یہ چمن مسز واکر
درسگاہ زنانہ قائم کی — شائق علم و فن مسز واکر
کہوں[1] اس کو زنانہ سوشل ہیں — یا گل نسترن مسز واکر
فیض صحبت سے آپ ہی کے بڑھا — شوق ہر علم و فن مسز واکر
حق بھی اور روشنی بھی پھیلائی — بن کے مہر دکن مسز واکر
انجمن تیرے مٹایا لوگوں سے — غرۂ ما و من مسز واکر
حسن طرز عمل سے آپ کے آج — شاد ہیں مرد و زن مسز واکر
ہے حیا کی دعا خدا سے یہ — اے معزز بہن مسز واکر

رہو آباد تم صد و سی سال
جا کے اپنے وطن مسز واکر

---

[1] بشیر باغ کلب ۔

مناجات

الٰہی تو دے اپنی الفت مجھے ہو دنیائے فانی سے نفرت مجھے

مجھے نارِ دوزخ کی پروا نہیں پیمبر کی بس ہے شفاعت مجھے

خدایا عطا کر بحقِ رسول ریاضت عبادت قناعت مجھے

تیری بندگی سے نہ باہر رہوں میسر ہے تیری طاعت سے مجھے

کروں کام جو میں وہ مقبول ہو جہاں میں تو دے نیک شہرت مجھے

مجھے اپنے مقسوم کا ہے گلہ کسی سے نہیں کچھ شکایت مجھے

میں دنیا میں جب تک کہ زندہ رہوں عطا کر خدایا تو صحت مجھے

یہی میری حسرت ہے ارمان ہے اک اولاد[1] دے باسعادت مجھے

حیا ہے تخلص میرا اے خدا
تو شرم و حیا دے بہ کثرت مجھے

---

[1] جوانی کا مضمون

نیکی کرنے کا طریقہ

لوگ دنیا میں ہیں ایسے بھی جو کرتے ہیں غرور
نشۂ حسن میں سرشار ہیں دولت کا سرور

نہ تو دولت ہی تمہاری یہ رہے گی لوگو!
اور نہ یہ حسن رہے گا کبھی میری سن لو

نیکی دنیا میں کرو کیونکہ رہے گی یہ صدا
نیکی وہ شے ہے کہ کرتا ہے پسند اس کو خدا

نیکی کرنے کے طریقے میں بتاؤں تم کو!
بات سن لو یہ میری کان لگا کر سن لو

لنگڑے کو دیکھو تو تم ہاتھ میں لکڑی دیدو
اندھے کو دیکھو تو تم راہ اُسے بتلادو

کوئی ہمسایہ جو بیمار کبھی ہو لے ذرا
لے خبر اُس کی کہ خوش تجھ سے ہو خالق تیرا

مفلسی سے کوئی نادار جو ڈھونڈے روزی
کوششیں کر کے کسی طرح دلا دے روزی

اپنے ہمسایہ کے لوگوں کے گھروں پر جاؤ
کون کس چیز کا محتاج ہے سنکر آؤ

سردی کے مارے اکڑتے ہوئے مفلس جو ملیں
اوڑھنے کے لیئے لاکر انہیں کمبل دیدیں

واسطے ان کے ہے شال دوشالے سے سوا
تم کو اللہ سے مل جائیگی پھر اس کی جزاء

کوئی مہمان تیرے گھر میں جو آجائے کبھی
جتنی ممکن ہو تو کر جان سے خاطر اُس کی

ہو سکے جتنا تو کر لوگوں پہ احسان اپنا
ذکر اُس کا نہ زباں پہ کبھی لانا اصلاء

کوئی ممنون اگر تم کو کرے شکر کرو
جیتے جی اس کا نہ احسان کبھی تم بھولو

اپنے محسن کو جو بدنفس ہے ایذا دے گا
آدمی وہ ہے جو اُس سے بھی نہ بدلہ لے گا
بلبلاتا ہوا گر بھوک سے آئے کُتّا
اُس کے آگے بھی ذرا ڈال دو کوئی ٹکڑا
گر شجر تم کو ملیں دھوپ سے مرجھائے ہوئے
اُن کو بھی پانی دو خوشنودیٔ خالق کے لئے
معنی نیکی کے نہیں۔ یہ کہ فقط پیسہ دو
بلکہ پہلو میں ذرا درد بھرا دل رکھو
ہے حیا کی یہ دعا خالقِ اکرم سے سدا
نیکی کرنے کی کرے بندوں کو توفیق عطا

سید ہمایوں مرزا صاحب پر ۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں جب
فالج گرا اُس زمانہ میں یہ مناجات لکھی گئی۔ ڈھائی سال علیل رہے

مناجات

اے خالقِ اکبر تو ہمایوں کو شفا دے — از بہرِ پیمبر تو ہمایوں کو شفا دے

مجروح ہے لاچار ہے بیمار ہے سید — یا رب پئے حیدر تو ہمایوں کو شفا دے

زہرہ کا نبی کا شہِ بطحا کا تصدق — رحمت کی نظر کر تو ہمایوں کو شفا دے

سن عرض میری حضرتِ شبیر کا صدقہ — مولا پئے شبر تو ہمایوں کو شفا دے

کہتی ہے حیا صدقے میں اس ماہِ رجب کے

اے خالقِ اکبر تو ہمایوں کو شفا دے

محل نواب احسن یار جنگ بہادر نے حج کو جاتے وقت دعوتی رقعہ نظم بھیجا اور لکھا کہ ملکی غذا ہے اور ملکی لباس۔ اس کا جواب نظم میں طلب کیا۔ یہ اشعار جواب میں لکھے

نظم

رقعہ پہنچا ہو مبارک تمہیں حج کو جانا
شاد و خرم ہو سفر سے تمہیں واپس آنا

روکھا پھیکا نہ کبھی کھائیں گے اصلا
گوشت چکنا ہو مزیدار ہو سارا کھانا

نان و آلن زنہار نہ ہم کھائیں گے
مرغ و ماہی ہو تو خوش ہو کے اڑا جائیں گے

ملکی دعوت ہے ہمیں اور ہیں ہم بھی ملکی
غیر ملکی ہے مگر دیکھیے موٹر اپنی

کاش آنے کے لیے ملتا میانہ[1] کوئی
لاتے کندھوں پہ اٹھا کر یہ سواری بھوئی[2]

بھونپو کے شور سے بھی کان پھٹے جاتے ہیں
اور ہم تم گلے مل مل کے لپٹ جاتے ہیں

تم نے بلوایا ہے آنے کو تو تیار ہیں ہم
بھیجیے ملکی جو سواری تو بڑا ہوگا کرم

چاہیے بندی جو میانہ ہو کہ ہو وہ شکرم
جو ہو منظور وہ بھجوائیے تا آئیں ہم

لیکن یہ شرط ہے ہو یہ سواری ملکی
میری موٹر تو ہے ڈاج[3] جو ہے غیر ملکی

جب غذا ملکی ہے ملبوس بھی ملکی ہوگا
ہر طرح ملکی ہے دعوت میں طریقہ اچھا

ملک پہ اپنے تو قربان ہوئے جاتے ہیں
اپنے مالک کے لیے لب پہ دعا لاتے ہیں

ہے دعا یہ کہ خدا خیر سے تم سب کو لائے
بھائی احسن سے بھی اور بچوں سے بھی ہم کو ملائے

اب خدا آپ کا حافظ ہے مری پیاری بہنا
جائیے خیر سے پھر آپ پھریں ہوتے وطن

تم حیا کے لیے کعبہ میں دعا بھی کرنا
دل سے ہم کو نہ فراموش ذرا بھی کرنا

۱؎ میانہ پالکی کو کہتے ہیں۔ ۲؎ کہار۔ ۳؎ نام موٹر۔

جام نگر کاٹھیاواڑ میں ۱۹۳۱ء میں صغرا ہمایوں مرزا اور سید ہمایوں مرزا صاحب گئے ہوئے تھے اُس وقت یہ نظم ہز ہائی نس جام صاحب نواں نگر کے لئے جوبلی میں لکھ کر راجہ صاحب کو دی تھی

نظم

سال نو کی میں مبارکباد دیتی ہوں والا
والیٔ نواں نگر کو اب بصد صدق و صفا
ذات اُن کی بے نیازی میں ہے بے رشک سرفراز
ذات پہ اُن کی اولوالعزمی کرے کیونکر نہ ناز
والیٔ نواں نگر جو جام صاحب ہیں حضور
شہرت مہماں نوازی ہند میں ہے دور دور
ہیں خلیق پُرتو اضع صاحب جود و سخا
صاحبِ تدبیر و دانش خلق کے حاجت روا
جب تلک ہم لوگ مہماں جام صاحب کے رہے
لطف سے گزرے یہاں دن اور بڑے آرام سے
فطرتِ شاہانہ خالق نے جو کی اُن کو عطا
رنگ بھی مہمان نوازی کا وہی دکھلا دیا
جوبلی پچیس سالہ ہو مبارک اے شہا — صحت و اقبال سے زندہ رکھے خالق سدا

نواب مرزا یار جنگ بہادر صدر المہام سرکار عالی نے ایک انجمن ترک مسکرات قائم کی ہے اور مجھے فرمائش کی ہے کہ میں شراب کی برائی میں کچھ اشعار لکھوں تو میں نے ۴/ فروری ۱۹۳۶ء میں یہ اشعار لکھے ۔

اشعار

آنکھیں ہیں بند کھلا منہ ہے تماشا دیکھو — اور کہتے ہیں کھلے بندوں پیالہ بھر دو
شرم آتی نہیں دن رات پئے جاتے ہیں — اپنے بچوں سے نہ اماں ہی سے شرماتے ہیں
ملک و مالک کا بھی اپنے نہیں کچھ دھیان ہے — اپنی عزت رہے اور آن رہے جان رہے
کچھ خیال اب تو کرو بچوں کا اور بیوی کا — پیتے پیتے نہ کرو جان کو برباد ایسا
مے کو کہتے ہیں اسی واسطے سب خانہ خراب — کر جلا کر جگر و دل کو یہ کرتی ہے کباب
تم سمجھتے ہو کہ پینے میں مزا آتا ہے — یہ مزہ وہ ہے کہ آخر میں کھل جاتا ہے
اصل میں زہر کا پینا ہے یہ پینا کیا ہے — ہے برا نشہ کا مرنا یہ جینا کیا ہے
نشہ بازوں کی نہ وقعت ہے نہ عزت کوئی — ان سے نفرت کوئی کرتا ہے ملامت کوئی
چھوڑو چھوڑو اسے کم بخت بڑی دشمن ہے — اڑ کے ڈس لیتی ہے یہ زہر بھری ناگن ہے
اب حیا ہے کہ گئی دیکھا نہیں جاتا اس سے — پینا چھوڑو اٹھو منہ بند کرو شیشوں کے

خدمت خلق کرو اور عبادت بھی کرو
ملک کی لاج رکھو خاتمہ بالخیر بھی ہو

دیگر

پی کے وہ جھومتے گھر پہ جو چلے آتے ہیں — اپنے پینے کے بہانے میں غضب ڈھاتے ہیں

وہ تو صورت بھی ہماری نہیں پہچانتے ہیں — ہم انہیں دیکھ کے گھبرا کے سہم جاتے ہیں

پیا اب چھوڑ دو گھر پہ رہو دل شاد رہو — پی کے سرشار جو رہتے ہیں وہ کیا پاتے ہیں

دیکھو قرآن میں لکھی ہے برائی مے کی — پینے والے جو ہیں بدبخت وہ کہلاتے ہیں

مے کی تعریف اگر لکھتے ہیں شاعر لکھیں — ہم برا جانتے ہیں دھیان میں کب لاتے ہیں

لا کے حوران بہشتی نے ہمیں دی جو شراب — کہہ دیا ہم نے کہ پینے کی قسم کھاتے ہیں

کیا قیامت ہے کہ مے زہر ہے اور آپ پیو — گھونٹ شربت کے سمجھتے ہیں پیے جاتے ہیں

میں تو تنگ آگئی پینے سے یہ چھوڑو پیا — جان پر آفت اس طرح کبھی لاتے ہیں

پیا کی ہے دعا خالق اکبر سے سدا

پیا دنیا سے چھٹے ہم یہ سنا چاہتے ہیں

شراب کی برائی پر!

اتقا رپرہیزگاری ہے یہ جانِ زندگی — بادہ خواری سے مکدر ہے جہانِ زندگی

جامِ مے ہے پیشِ جاں بادہ خواری کیلئے — ترکِ مے ہے راحتِ روحِ روانِ زندگی

بادہ خوارو! دیکھنا اوّل سرور آخر خمار — خار دار آخر کو ہوگا گلستانِ زندگی

مے ہو برباد یہ پینا مضرِ زندگی — مے سے ہو ناپاک یہ آبِ روانِ زندگی

عمر کوتاہ کثرتِ مے سے ہوئی جاتی ہے حیف — ناگہاں مٹ جاتا ہے نام و نشانِ زندگی

مے تو قزاق ہے پینا الگ قزاق ہے — بارہا لوٹا ہے اس نے کاروانِ زندگی

دفعتاً مے خوار جل جاتا ہے ضعفِ قلب سے — خونچکاں بنتی ہے مے سے داستانِ زندگی

مے سے بڑھ کر جاں ستاں میخوار کوئی شے نہیں — اور تو سمجھا ہوا ہے اس کو جانِ زندگی

مے سے تیری زندگی تو مرگ خواری ہو گئی — اور اے ناداں تجھ کو ہے گمانِ زندگی

مبتلا ہیں فقر و فاقے میں تیری اہل و عیال — اور تو گرمِ تعیش کامرانِ زندگی

تو ہے بازار میں سرگرمِ بزمِ انبساط — گھر میں ہے مجبور تیرا رازدانِ زندگی

عورتوں کا حق تلف اس بادہ خواری سے ہوا — ہو گئے برباد لاکھوں خاندانِ زندگی

آبِ شر ہے درحقیقت یہ سرابِ آتشیں — غرقِ طوفانِ بلا ہوگا جہانِ زندگی

حضرتِ انساں ہی اشرف ہیں ساری خلق میں — کم نہ ہونے پائے ان سے عز و شانِ زندگی

ترکِ مے سے گھر تیرا گلشنِ راحت بنے — آتشِ مے سے ہو ویران خاندانِ زندگی

کوئی مستِ بادہ ہے، کوئی پابند اتقا — کوئی غافل اور کوئی رازدانِ زندگی

اے حیا میں بادۂ حبِّ وطن سے مست ہوں — وقفِ تعلیم النسا میرا جہانِ زندگی
خدمتِ قومی میں گزرے عمر کے تینتیس سال — کیا سناؤں آپ کو میں داستانِ زندگی
کیا خبر انجام اپنا نیک ہو اب یا کہ بد — کیا خبر گھر ہے کہاں اک کاروانِ زندگی
اب دعا پر ختم کرتی ہوں میں اپنی نظم کو — اے خدا اے خالقِ روحِ روانِ زندگی

آبِ شر کی بوندیوں سے سب کو تو محفوظ رکھ
جسمِ خاکی میں رہے جب تک یہ جانِ زندگی

۱۳۵۵ھ

جناب سید ہمایوں مرزا صاحب مرحوم کے وفات کے بعد

اشعار

موت نے کر دیا برباد مجھے اے لوگو
میرے گھر کو میرے در کو میرے جینے کو

ہائے کل مجھ سے جو ہنس ہنس کے گلے ملتے تھے
آج وہ چھوڑ گئے مجھ کو فقط رونے کو

ہائے کس سے میں کروں جا کے تمہارا شکوہ
مجھ کو تم چھوڑ گئے جلنے کو، انصاف کرو

میرے عاشق میرے شیدا میرے مرنے والے
اب کہاں تم ہو کدھر تم ہو بتا دو کچھ تو

میرے سرتاج مجھے چھوڑ کے جانے والے
مجھ سے کیوں روٹھ گئے پاس بلا لو اب تو

اب جیا روتی ہے چلاتی ہے سر پیٹتی ہے
تم سنبھالو اسے للّٰہ، منا لو اس کو

دیگر

ذاتی

مضطرب دیکھکے مجھکو وہ تڑپ جاتے ہیں
لحد میں اپنی لرز کر وہ سہم جاتے ہیں

دل ہوا شاد شفور ہوئیں آنکھیں میری
آکے تربت پہ تری سر جو جھکا جاتے ہیں

گھر کو تو چھوڑ کے جنگل کو بسایا پیارے
ہم تو ہر روز لحد پر تیری آجاتے ہیں

شاد ہے دل کہ تجھے ہوتا ہے دیدار نصیب
آج سید مظلوم کے تربت پہ جو آجاتے ہیں

بیکسی پاس لحد پر جو برستی ہے تیری
گور مظلوم کی ہے کہکے چلے جاتے ہیں

خاک پر تو ہے پڑا اور پلنگ پہ ہم ہیں
عیش و راحت کو تو ہم اپنی بھولے جاتے ہیں

ہم سمجھتے تھے کہ تم لاشہ اٹھاؤ گے میرا
تم تو بس چھوڑ کے ہمکو بھی چلے جاتے ہیں

آکے تربت پہ تری پھول چڑھاتے ہیں ضرور
منتیں اور مرادیں تو وہ پا جاتے ہیں

کی حیا سے تھی جو الفت نہیں کچھ یاد بھی ہے
سب وہ بھولے ہوئے کس شان سے سمجھاتے ہیں

پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

موتی سے ہے سیپ کا کہنا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو
سونے سے پھٹکی نے کہا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

شرع کا پردہ ترک نہ کرنا انسب ہے پردہ میں رہنا
پردہ رواجی وہ نہیں اچھا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

پردہ کا کیا مطلب سمجھا ناصح مشفق مجھ سے سن جا
عفت عصمت دل میں رکھنا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

دل کا پردہ آنکھ کا پردہ جان سے بڑھ کر اس کو رکھنا
ہے جو رواجی وہ نہیں رکھنا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

اس نے ڈبویا سارے جہاں کو کچھ تو لوگو دل میں سوچو
جہل جہاں میں اس سے پھیلا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

میں نے پردہ چھوڑا انہیں ہے پردہ سے منہ موڑا نہیں ہے
آنکھ کا پردہ میں نے رکھا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

مجھ کو گالی دل بھر دے لو پر جو کہوں میں وہ تم سن لو
گر ہے ترقی تم کو کرنا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

پردہ میں ہے میرا کنبا دُنیا سمجھتا اس کو اچھا

سلہ ۔ مٹی

میں نے تنہا پردہ چھوڑا، پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو
دکن کی شہزادی نے چھوڑا، بیگم بھوپال نے چھوڑا

پردہ رواجی سب نے چھوڑا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو
محمد علی مرحوم کی بی بی پہلے پردہ جو تھیں کرتیں!

لندن جا کر پردہ چھوڑا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو
لیڈی عبدالقادر کو لو پردہ کے اندر ہی تھیں جو

پردہ انہوں نے ترک کیا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو
دیکھو شفیع[1] کا سارا کنبہ کوئی نہیں ہے پردہ کرتا

سب نے اس کو یکدم چھوڑا، پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو
نام و نشان کو قائم رکھو قومی الفت دل میں رکھو!

مانو میرا یہ تم کہنا، پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو
زندہ قوم تم بن جاؤ، اپنی شجاعت تم دکھلاؤ

پردہ سے اب باہر آؤ پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو
نہیں ہے اسلامی یہ پردہ نہیں ہے قرآن میں یہ پردہ

پردہ ہے یہ رواجی پردہ چھوڑو۔ پردہ چھوڑو
پردہ کرنا سخت برا ہے پردہ میں رہنا اب بے جا ہے

پردہ کی الفت دل سے نکالو پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو
میرا کہنا اگر نہ مانو ہاتھ مل کر کل تم آؤ!!

قوم کو اپنی مت تم کھو پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

[1] سر محمد شفیع صاحب بیگم شاہنواز صاحبہ کے والد۔

پردہ سے گر باہر نکلو سینما تھیٹر میں مت جاؤ
لکچر کالج میں تم جانا، پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

دنیا سے ہے ہم کو جانا پردہ میں ہے آخر رہنا
دنیا میں تم جب تک رہنا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

زندگی میں گر ہو پردہ موت بہتر اس سے بیٹا۔
زندہ انسان نے کیوں مردا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

آزادی جب تم کو ہووے چڑیا تم مت بن جانا
مسجد اور کعبہ جانا ، پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

ڈالی ڈالی مت ہو جاؤ گھر سے بے گھر مت ہو جاؤ
اسکول اور کالج جانا ، پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

کپڑے پہنو ستر پوش منہ پر مت ہو بالاپوش
یہ ہے پردہ سیدھا سادا پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

بنتِ نبیؐ نے برقعہ پہنا بنتِ علی نے برقعہ پہنا
تم بھی برقعہ پہن کے نکلو پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

چھپے گی جب یہ نظم میری روئیں گے مرد باری باری
کہیں گے تم سے اٹھاؤ پردہ، پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

شرع نے جس کو جائز رکھا بیشک اتنا پردہ کرنا
ہے حیا کا بس یہ کہنا، پردہ چھوڑو پردہ چھوڑو

رباعی

خندہ زد چوں در بہاراں دید گلشن ابر را

غنچہ خنداں لالہ حیراں بام و در چوں سبزہ زار

بر کنار رود کوثر دیدنی است اے حبیب

جام گلگوں ساقی مہرو بہ سرو لالہ زار

قطعہ

قوم کی خاطر مجھے کرنا ہے کام — یا سفر ہو یا کہ ہو اپنا مقام
خدمتِ قوم کی خاطر میں حیاؔ — مستعد ہوں رات دن اور صبح و شام

قطعہ

نئی سلطنت ہے نئی بادشاہی — نیا راج ہے یہ نئی دادخواہی
حیاؔ ہے یہ کہتی بصد شوق شہ سے — تمہیں شاہ عثمانؒ مبارک ہو شاہی

قطعہ

مجھے ستا کے تجھے کیا ملا بتا تو دے — کہانی ظلم کی اپنی مجھے سنا تو دے
جفائیں سہتا ہوں اُس پر بھی دم میں ہے تیرا — میری وفا کی مجھے دادِ پر جفا تو دے

قطعہ

مکاں ہر جگہ تیرا اے بے مکاں ہے — نشاں ہر طرف تیرا اے بے نشاں ہے
نہ خالی زمیں ہے نہ خالی زمانہ — کہیں تو نہاں ہے کہیں تو عیاں ہے

رباعی

مطلب ہے زندگی سے نہ آرام سے غرض — مجھ کو فقط ہے فائدۂ عام سے غرض !
مشرب میرا ہے قوم کی خدمت بس اے حیاؔ — کچھ کفر سے غرض ہے نہ اسلام سے غرض

ـله تحفۂ اُنیسی

رباعی

کشمیر[1] میں جو آکے سبزے پہ کی نظر
شانِ خدا کو دیکھا خم ہوگیا ہے سر
شمشاد جھومتا ہوا یادِ خدا میں ہے
سر کو اٹھائے سرو کھڑا ہے کہیں اگر

لہ ۱۹۲۸ء میں کشمیر جانا ہوا تھا۔

رباعی

ابر اوٹی کے پہاڑوں سے جو سر دھنتا ہے
آبِ دریا سے وہ پہلے ہی دھواں بنتا ہے
جب حیا کرتی ہے لوگوں سے بیان یہ مضمون
شوقِ دید اُس کو بھی ہوتا ہے جو کوئی سنتا ہے

رباعی

تقدیر پہ شاکر ہیں تو راضی بہ رضا ہیں!
سب کام ہمارے تو حوالہ بہ خدا ہیں
احباب حیا سے جو ہوں ناراض عجب کیا
مدت ہوئی ہم آپ ہی اپنے سے خفا ہیں

قطعہ

ہوں میں بیزار زندگانی سے
موت بہتر حیاتِ فانی سے

تو سناتا ہے کیوں حیاؔ کو دلا
تو بے زار ہے جوانی سے

قطعہ

تیرے دید کی اے خدا آرزو ہے
تیرے قرب کی بس مجھے جستجو ہے
دکھا اس کو جلدی تو کعبہ خدایا
حیاؔ یاس سے دیکھتی چار سو ہے

سید ہمایوں مرزا صاحب علیہ الرحمہ نے ۱۳۳۰ھ میں ایک قطعہ لکھ کر عید کے دن دیا۔

قطعہ

زندگی کی بہار دیکھئے صغرا ۔ عیش لیل و نہار دیکھئے صغرا
آج کی عید پر ہے کیا موقوف ۔ ایسی عیدیں ہزار دیکھئے صغرا

اس کا جواب فوراً صغرا ہمایوں مرزا نے یہ لکھ کر دیا

قطعہ

نذر اس قطعہ کو ختم کر کے میں سر کرتی ہوں
گر قبول ہووے تو میں پیش نظر کرتی ہوں
تم سلامت رہو ہر سال مناؤ عیدیں
یہی خالق سے دعا شام و سحر کرتی ہوں

ایک بہت بڑی آئینہ پر خوبصورت نقش و نگار کروا کر یہ اشعار اس پر لکھوا کر صغرا ہمایوں مرزا کو جناب سید ہمایوں مرزا صاحب نے دئے

اشعار

پلش کرتے سے ہے یہ آئینہ کی میری مراد
ہو مبارک تمھیں منہ دیکھنا اور کرنا سنگار
ہے ہمایوں کی خدا سے یہ دعا صبح و مسا
صد و سی سال سلامت رہو با عز و وقار

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس
حیدرآباد دکن